

# مفکرین پیدا کیجیے

(تنظيم اسلام کے ایک اجتماع سے خطاب)

جناب پروفیس سید محدث سلیم (تنظيم اسلام پاکستان)

ایک طرف تو دینی تعلیم اور دعوظ و نصیحت کا سلسلہ ہے۔ یہ مسلسل جاری ہے۔ گھریروالوں آولاد کو دینی احکام پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ درس گاہوں میں اساتذہ نیکی اور محفلاتی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ مسجدوں میں، خطیبات میں اور درسوں میں یہی نصیحت ملتی رہتی ہے۔ اخبارات اور رسائل میں مختلف تقریبات کی مناسبت سے مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا ما حصہ بھی یہی ہوتا ہے۔ کو دینی احکام کا اتباع کیا جائے۔ ریلیو اور قرآن اور دینی مذاکرات نشر ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا ما حصہ بھی دینی احکام کی پیروی پر انجام دانا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ مسلسل ہوتا رہتا ہے۔ اور سالوں سے ہوتا آیا ہے، لیکن یہ ایک تاتفاقی انکار ریحیت ہے کہ اتنی ساری پیغم کوششوں کے نتیجے میں اتباع اور پیروی عذر عرضی بھی نہیں ہوتی۔ انگریزی تہذیب کے خلدور کے بعد سے دینی احکام کی پائیدگی زد و سبق اور بڑی ایجادی اور بزرگی کی روز رو زیر پڑھتی چلی جا رہی ہے۔

دوسری جانب بغربی تہذیب کی میغارہ ہے جو انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی روزافروں بڑھ رہی ہے۔ آزادی کے بعد سے اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ انگریز نے ایک دن بھی یہ مطالیبہ نہیں کیا کہ تم انگریزی میں اپنے تو، انگریزی بال رکھو، انگریزی رسم اختریار کرو، خواتین سے یہ نہیں کہا کہ تم بے پودہ ہو جاؤ، اپنے جسم کے حصوں کی نمائش کرنی پھر دو، بال کٹاوے کسی دن بڑا ہ راست انگریز نے اپنے افکار کی تبلیغ و اشتاعت نہیں کی۔ مگر انگریز کی نقاہی کی رفتار میں دن ڈگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ آزادی کے بعد

تو گھر بیو زبان میں انگریزی الفاظ لکھس آئئے ہیں۔ مثلاً انگل، آنٹی، لترین وغیرہ جیسے الفاظ اب روزمرہ بن گئے ہیں۔ گھلی کے نکر پر چوڑیاں نہیں پہنچنے والا شخص جسی اپنی دوکان پر "بینکل شاپ" کا بورڈ آؤینہ ان کرتا ہے۔ در آنکھا لیکر وہ خود ناخواہندہ ہے، جو خواتین یہاں آتی ہیں وہ سب ناخواہندہ ہوتی ہیں۔ پھر بھی بورڈ انگریزی میں ہیں۔

یہاں بجا طور پر ایک سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ ایک جانب باوجود کوشش کے عمل نداردیا بہت کم ہے۔ دوسری جانب بغیر کوشش کے عمل کی رفتار بہت تیز ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس کی کیا وجہات ہیں؟ صدیوں سے مسلمان علماء اور واعظین کہتے چلے آ رہے ہیں کہ مسلمانوں کا زوال اسلامی حکام پر عمل در آمد نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ بلاشبہ مرض کی تشخیص درست ہے، مگر کافی نہیں ہے۔ مزید یہ بیان کرنے کی ضرورت ممکنی کہ اسلامی احکام پر عمل در آمد کیوں نہیں ہوتا ہے اس میں عدم توجیہ کیوں ہے؟ اگر آغازادہ ہی میں تشخیص کر لی جاتی۔ صحیح مرض اور خدا بی کی نشانہ ہی کردی جاتی تو پھر بہت پہلے علاج شروع ہو جاتا اور بہت پہلے زوال کی رُوکوموڑ اذاز میں روکا جاسکتا تھا۔ بہت پہلے اسلامی پیش قدمی کا آغازادہ ہو چکا ہوتا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی فرد ہو وہ منفرد زندگی نہیں گزارتا۔ میں تعلق اور سب سے کٹ کر زندگی بس رہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں ایک گھر لاتے، کنبے اور برادری کا جزو ہوتا ہے۔ اس کی سوچ کنبے، برادری اور معاشرے سے باہر نہیں جاتی۔ قید نہماں میں بند قیدی بھی اپنے گھر، کنبے اور برادری سے متعلق افکار و خیالات میں غلطان اور پیچاں رہتا ہے۔

ہے آدمی سمجھئے خود ایک محشر خیال  
ہم انہم سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

جب انسان کی سوچ منفرد نہیں ہے تو اس کا عمل منفرد، کٹا ہوا اور غیر مربوط کیسے ہو سکتا ہے معاشرہ میں شامل ہر فرد معاشرہ میں راستہ اور مقبول افکار و اقدار کے زیر اعتماد رہتا ہے۔ ہر فرد معاشرہ میں مقبول معیار ای افکار و اعمال سے ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کرنے کی شوری اور لا شوری کوشش میں مشغول رہتا ہے۔ جو افکار و اقدار معاشرہ میں غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کو ایک ایک فرداختیا کر لیتا ہے اور جو افکار و اقدار معاشرہ میں غلبہ حاصل نہیں کر لیتے یا شکست کھا جاتے ہیں ان کی قدر افراد معاشرہ کی نگاہ میں گر جاتی ہے۔

لوگ ان کو ترک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔  
 ایک زمانہ تھا کہ بے پروگی ذلت کی علامت شمار ہوتی تھی۔ جس کو ایک عورت بہداشت کرتے  
 کریے تیار نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جہانگیر بادشاہ کی بیگم نور جہاں اپنے محل کی محبت پر کھڑامی تھی۔  
 قریب سے ایک دیہاتی گز رہا تھا، اس نے بیگم کو دیکھ لیا۔ بیگم کو اپنی بے پروگی کا احساس اس قدر شدید  
 ہوا کہ اس نے شدتِ چدیات میں اس دیہاتی پر ٹپٹپر داغ دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ وہ معاشرتی اقدار  
 آج کے دور میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ آج کی نور جہاں حسین صورت اور حسن صوت کا مظاہرہ کرتی پھر تی ہے۔  
 اور اس پر وہ خوش ہے۔ آج معاشرِ مقبول تبدیل ہو گیا ہے۔ اس سے بیانات واضح ہو گئی کہ معاشرہ میں  
 شامل فرد معاشرہ میں راستج اور مقبول افکار و اقدار سے متاثر ہوتا ہے۔ ان سے مربوط رہتا ہے۔  
 جس دور میں اسلامی تہذیب کا اور اسلامی اقدار کا ہمارے معاشرہ میں غلبہ تھا۔ کوئی اس کا مقابل  
 اور مذاہم نہیں تھا، اس دور میں صرف اسلامی احکام کا پیش کر دینا کافی تھا۔ تب علماء کا وعظ و نصیحت  
 کر دینا بالکل کافی تھا۔ لیکن آج ہمارے معاشرہ پر مغربی تہذیب اور مغربی افکار کا غلبہ ہے۔ ہر سال  
 جدید درس گاہوں سے لاکھوں لوگوں کے اور لڑکیاں مغربی اقدار حیات کا درس لے کر معاشرہ میں داخل  
 ہوتی رہتی ہیں۔ مغربی افکار و اقدار کو مچیل کی رہتی ہیں اور قدیم اسلامی رنگ کو مچیل کا بناتی رہتی ہیں۔  
 ان حالات میں نصیحت کرنے والوں کی تعداد خواہ کتنی بھی کمیز ہو، صرف یہ کہتے رہنا کافی نہیں ہے کہ  
 اسلامی احکام پر عمل کر دے۔

یقستی سے گذشتہ ڈیڑھ صدی سے یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ حالانکہ ہونایا چاہیے تھا کہ اسلامی  
 احکام کے پس پر وہ اسلامی اقدار کی بات کی جاتی۔ اسلامی احکام کی غایبات بیان کی جاتیں۔ مغربی  
 اقدار سے ان کا مقابلہ موازنہ کیا جاتا۔ دلائل اور بائیں سے مغربی اقدار پر ان کی برتری واضح کی جاتی۔  
 فوجوں مغربی تعلیم یافتہ نسل کو عقلی طور پر مطہن کیا جاتا۔ ان کے شکوک و شبہات رفع کیے جاتے۔ اگر یہ  
 سب کچھ کیا جاتا تو نئی نسل ضرور بالضرور ایسے علماء کے گرد جمع ہو جاتی اور ان کے ارشادات کی  
 پسندی کرتی۔

علامہ اقبال نے سب سے پہلے ہمارے مکار میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ انہوں نے مغربی تہذیب  
 پر تنقید کی اور اسلامی اقدار کی تائید کی۔ عقل و خرد سے بات کی۔ ان کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ ان

کے اقوال کو سند کے طور پر پیش کیا جاتے رہگا۔ مولانا ناسیم الدین علی مودودی نے پھر طریقہ اختیار کیا۔ علی میدان میں انہوں نے مغربی افکار و اقدار کو چیلنج کیا۔ غیر معلوم باز انداز میں بات کی عقلی اور فکری انداز میں اسلامی احکام کی حکمتیں بیان کیں۔ ان کی برتری واضح کی۔ عقل کی ہدایت پر وحی کی ہدایت کی برتری واضح کی۔ ایک خلق نے ان کے افکار کو سنبھالا اور پڑھا۔ اور پھر ان کے گہرجوں کے درج ہو گئے۔ ان کی کتابوں کے ذمہ دوسری زبانوں میں ہوتے۔ وہاں کے لوگ بھی ان افکار و تنبیمات سے متاثر ہوئے۔

بڑوں عقلی انداز میں بات کرنے کا ہے۔ اسلامی احکام کی حکمتیں بیان کرنے کا ہے، دلیل اور بہانے سے بات کرنے کا ہے۔ تقابی انداز میں بات کرنے کا ہے۔ مغربی درس گاہوں سے کھصیپ درکھصیپ نکلنے والے طلبہ یہ کام نہیں کر سکتے۔ مغرب کے نہ سے مقلد یہ کام نہیں کر سکتے۔ اسلام کے مومن اور مغرب کے نقاد مسلمان یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ غور و خوض کرنے والے مسلمان یہ کام کر سکتے ہیں۔ دلائل اور براہین تلاش کرنے والے یہ کام کر سکتے ہیں۔ ایمان راست اور فکر صالح رکھنے والے یہ کام کر سکتے ہیں۔ پس اے معزز گروہ اساتذہ! مخلص مومن اور دقیق رسم حقیقت میں طلبہ پیدا کیجیے۔ رومیں بہتے والے نقاشوں سے کام نہیں چلے گا۔ طبع زاد مفکرین کی ضرورت ہے۔ اس پیغمبر علیہ السلام کی لگن طلبہ کے دلوں میں پیدا کیجیے۔ پھر دماغوں میں فکر اسلامی کے سوتے تھوٹیں گے۔ ان کی آبیاری کیجیے۔ وقت کے تقاضوں کو سمجھیے اور اپنا فریضہ انجام دیجیے۔